مجالسِ اقبال

مرتب

جعفر بلوچ

مجالس اقبالؒ

مرتب

جعفر بلوچ

جملہ حقوق محفوظ

○ اہتمام: محمد احسن تہامی

○ مطبع: چوہدری محمد بوٹا پریس ـــــ لاہور

○ تاریخِ اشاعت: 2002ء

○ قیمت: 150 روپے

دارُالتذکیر

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار،

لاہور۔ ۵۴۰۰۰ فون: ۷۲۳۱۱۱۹

انتساب

اقبالیات اور پاکستانیات

کے برگزیدہ امام

پروفیسر محمد منوّر

کے نام

فہرست

۱	مرتب	سرمتن	۷
۲	میر غلام بھیک نیرنگ	اقبال کے بعض حالات	۹
۳	سید محمد تقی شاہ	اقبال کا بچپن	۳۸
۴	پروفیسر محمد دین بھٹی	کچھ اقبال اور ان کے استاد کے بارے میں	۴۳
۵	تلوک چند محروم	علامہ اقبال سے ایک مختصر ملاقات	۴۹
۶	حکیم محمد یوسف حسن	علامہ اقبال کی شخصیت کے چند پہلو	۵۲
۷	میاں عطاء الرحمٰن	علامہ اقبال	۷۱
۸	یوسف سلیم چشتی	ملفوظات اقبال	۸۱
۹	سید حسن رضا گردیزی	جناب نیاز: علامہ اقبال کی بارگاہ میں	۱۰۸
۱۰	حفیظ جالندھری	حفیظ کا اقبال	۱۱۴
۱۱	خواجہ عبدالوحید	اقبال کے حضور میں	۱۲۷
۱۲	اسد ملتانی	فیضان اقبال	۱۹۳
۱۳	چراغ حسن حسرت	بزم اقبال میں چند لمحے	۲۰۸
۱۴	راجہ حسن اختر	مرد قلندر کی بارگاہ میں	۲۱۲
۱۵	ڈاکٹر محمد جان	علامہ اقبال سے میری چند ملاقاتیں	۲۳۰
۱۶	میر عبدالعزیز کرد	حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ	۲۳۵
۱۷	غلام سرور ہاشمی	علامہ اقبال سے میری نیاز مندی	۲۴۴

۱۸	م۔ش (محمد شفیع)	اقبال کے آخری لمحات	۲۴۹
۱۹	ڈاکٹر مہر عبدالحق	علامہ اقبال کی خدمت میں	۲۵۸
۲۰	پروفیسر بخشی علی انور	علامہ اقبال سے ملاقاتیں	۲۶۹
۲۱	پروفیسر ممتاز حسین	علامہ اقبال	۲۷۲
۲۲	حجاب امتیاز علی تاج	شاعر مشرق سے میری ملاقات	۲۷۹
۲۳	مرتب	تعارف نامہ	۲۸۵

ضمیمہ

۲۴	منظور انور قریشی	ڈاکٹر اقبال کا بچپن (بابا دینو سے انٹرویو)
۲۵	منظور انور قریشی	اقبال — ایک دوست (لالو پہلوان سے انٹرویو)
۲۶-	مرتب	من کیستم؟

سرمتن

ارباب حکمت وبصیرت کا فیصلہ ہے کہ اسلاف کے تابناک احوال و آثار کی یاد آوری اور ماضی کی عظیم ودر خشندہ روایات کی باز خوانی ہمارے انفرادی اور اجتماعی فروغ وارتقا کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اپنے پیش روؤں کی فتوحات سے صحیح طور پر باخبر اور ان کے مناصب سے مکمل طور پر آگاہ ہونے کے بعد ہی ہم اپنے لیے آئندہ منازل کی تعیین کر سکتے ہیں اور مستقبل کے لیے نئے اہداف مقرر کر سکتے ہیں۔ غالباً اسی لیے کہا گیا ہے :

زندہ خواہی داشتن گر داغ ہای سینہ را
گاہی گاہی باز خواں ایں قصہء پارینہ را

حضرت علامہ اقبال ہمارے مایہ ناز قومی و ملی مشاہیر میں سے ہیں۔ اسلامیت اور قومیت کے حوالے سے وہ ہمارے سربر آوردہ اکابر میں سے ہیں۔ اسلامی اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں انھوں نے انسانی عظمت وشرف، خودداری، آزادی، خیر کوشی اور حرکت و عمل کا جو درس دیا ہے وہ انسانیت کی متاع عظیم اور اس کا قابل فخر مشترکہ اثاثہ ہے۔ سیاسیات و عمرانیات کے امام اور تصور پاکستان کے خالق ہونے کے حوالے سے وہ مسلمانان برعظیم کے خاص طور پر محسن ہیں۔ فلسفہ وادب کی غایت حقیقی کو واضح کرنے اور فکر و عمل کو صحیح منہاج عطا کرنے پر وہ جہان دانش و حکمت میں سزاوار پرستش ہیں۔ ایسے بطل عظیم کی زندگی اور فکر و فن کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ ہماری قومی، ملی، تہذیبی اور تمدنی ضروریات میں سے ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اکابر کے احوال و آثار سے براہ راست اور بلاواسطہ استفادہ کی اپنی شان اور اہمیت ہے لیکن ہمارے بزرگان دین بلکہ خود دین حنیف نے خبر و روایت کی اہمیت، ضرورت، نافعیت اور لابدیت بھی ہم سے پوشیدہ نہیں رہنے دی۔ اس ضمن میں آئمہ روایت نے خبر و روایت کی تنقید و تنقیح، تبلیغ و ترسیل اور نشر و اشاعت کے لیے جو قابل رشک اصول و ضوابط وضع کیے وہ بجائے خود علم نافع کے ذیل میں آتے ہیں اور انسانی ذہن کی اعجاز نمائی کا درجہ رکھتے ہیں۔ خبر و روایت کی توضیح و ترویج، اسلامی ادب کا ایسا احسان ہے کہ اس کے تشکر سے انسانی تاریخ کبھی عہدہ برا نہیں ہو سکتی۔

حضرت علامہ اقبال سے اخذ و استفادہ کے معاملہ میں بھی اگرچہ بنیادی اہمیت ان کی اپنی نگارشات نظم و نثر کو حاصل ہے لیکن ان روایات و ملفوظات کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا جو تقویٰ نہاد، دیانت دار، حق شعار، صائب الرائے، روایت پرور اور درایت کوش راویوں نے حضرت علامہ کے سلسلے میں پیش کیے ہیں۔ یہ روایات (اگر یہ روایت و درایت

کے اصولوں پر پوری اترتی ہوں) حضرت علامہ کو اور ان کے حوالے سے دین و ادب کو سمجھنے کا گراں قدر وسیلہ ہیں- ان روایات و ملفوظات سے نہ صرف حضرت علامہ کے افکار و نظریات سے وسیع تر آگاہی ہوتی ہے بلکہ ان کی زندگی کے بعض نئے پہلو بھی سامنے آتے ہیں جو سوانحی حیثیت سے بہت اہمیت کے حامل ہیں- چنانچہ راویان اقبال کے پیش کردہ ان بیانات و ملفوظات کو کتابی صورت میں مرتب و مدون کرنا اقبالیات کا ایک اہم اور نہایت قابل توجہ شعبہ ہے- اس سلسلے میں بعض حضرات نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں اور بعض نے اس نوع کے متفرق مضامین کو مرتب و مدون کیا ہے- ملفوظات اقبال کے شعبے میں داد تصنیف و تالیف دینے والوں کی فہرست خاصی طویل ہے- زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے- اس میں بیشتر وہ مضامین مرتب کیے گئے ہیں جو اس سے پہلے سلسلہ ملفوظات کی کسی کتاب میں مرتب نہیں ہوئے- ان تحریروں میں سے اکثر رسائل و جرائد سے حاصل کی گئی ہیں اور بعض متفرق اور کم یاب کتابوں سے ماخوذ ہیں- ملفوظاتی سلسلے کی اس کتاب میں مدون ہونے اور ہم موضوع نگارشات کے تناظر میں آجانے کی وجہ سے یہ تمام تحریریں ہماری دانست میں زیادہ روشن اور زیادہ بامعنی ہو گئی ہیں- اس کتاب میں دو مضامین ایسے بھی ہیں جو اس سے پہلے کتابی صورت میں مرتب تو ہو چکے تھے لیکن وہاں ان کا متن نامکمل یا نادرست چھپا ہے- ضرورت تھی کہ ان مضامین کو مکمل اور صحیح صورت میں پیش کیا جائے- چنانچہ یہاں یہ تحریریں اصل منابع سے تقابل کے بعد حتی المقدور صحیح اور مکمل متن کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں- عمومی طور پر بھی یہ کوشش کی گئی ہے کہ تمام مضامین کو متن کی صحت و تکمیل کے ساتھ پیش کیا جائے- ہر تحریر کے آخر میں منابع کی نشان دہی کر دی گئی ہے- اگر متن کے ضمن میں کہیں الجھن ہو تو منابع و ماخذ سے رجوع کر کے رفع اشتباہ کا اہتمام کیا جا سکتا ہے کتاب کو زیادہ نافع اور مفید بنانے کے لیے اس کے آخر میں مجالس اقبال کے محترم و معزز ارکان کا مختصر تعارف بھی درج کر دیا گیا ہے- اللہ کرے ترتیب و تدوین کی یہ کاوش کامیاب اور ثمر آور ہو- مرتب بارگاہ باری تعالیٰ سے ان حضرات کے حق میں جزائے خیر کا طالب ہے جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب، تدوین اور اشاعت کے مختلف مراحل میں دست تعاون بڑھایا ہے-

جعفر بلوچ

۱۷- جنوری ۲۰۰۰ء

۸- غزالی پارک نزد وحدت کالونی لاہور

یوسف سلیم چشتی

ملفوظات اقبال

تمہید :

علامہ اقبال مرحوم سے میری ملاقاتوں کا سلسلہ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک جاری رہا۔ ان سے ملاقات کی تقریب اس طرح پیدا ہوئی کہ اس زمانے میں مجھے فلسفہ 'الٰہیات اور علم کلام کے مسائل سے بڑی دلچسپی تھی۔ ان تینوں علوم میں ہستی باری کا مسئلہ بنیادی اور سر فہرست ہے لیکن کانٹ نے اپنی ''تنقید عقل خالص'' میں اثبات واجب الوجود پر جس قدر ادلہ حکماء اور متکلمین نے قائم کی ہیں' سب کا ابطال کر دیا ہے۔ اس لیے میں حضرت علامہ سے ملنے گیا اور ان سے عرض کی کہ کیا آپ کے ذہن میں اثبات واجب پر کوئی ایسی دلیل ہے جو ناقابل رد ہو ؟ انھوں نے کہا کہ عقل انسانی اس معاملے میں عاجز ہے۔ خدا کی ہستی کا یقین دلائل عقلیہ سے پیدا نہیں ہو سکتا اس کے لیے مشاہدۂ باطنی درکار ہے۔ عقل یہ تو بتا سکتی ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق یا صانع ہونا چاہیے لیکن اس کا اثبات نہیں کر سکتی کہ یہ بات اس کے حیطہ اقتدار سے باہر ہے۔ اس لیے حکماء کی تقلید کے بجائے ارباب کشف و شہود یعنی صوفیائے کرام کی پیروی کرو بالفاظ دگر رازی کو چھوڑ کر رومیؒ کو اپنا رہنما بناؤ۔

اس ملاقات کے بعد ان سے رسم و راہ کا سلسلہ قائم ہو گیا اور کچھ عرصے کے بعد میں نے ان کے کلام کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس مطالعے کی بدولت مجھے ان کی شخصیت سے بڑا لگاؤ پیدا ہو گیا' اور جہاں تک ممکن ہو سکا' میں نے ان سے استفادہ کیا۔ چونکہ وہ یہ بات پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کے ارشادات ان کے سامنے بیٹھ کر قلمبند کروں اس لیے گھر واپس آکر جو کچھ ذہن میں محفوظ رہتا تھا اسے ایک ضخیم نوٹ بک میں لکھ لیا کرتا تھا۔ ۱۹۵۵ء میں دریائے راوی کے سیلاب کا پانی میرے گھر میں بلائے بے درماں کی طرح داخل ہوا اور صدہا کتابوں کے ساتھ وہ نوٹ بک بھی برباد ہو گئی۔ یہ ملفوظات جو میں

ذیل میں درج کر رہا ہوں ان متفرق کاغذات اور پاکٹ بکس میں مندرج تھے جو ایک ٹرنک میں محفوظ تھیں۔

۱۹ مارچ ۱۹۳۰ء ۶ بجے شام میکلوڈ روڈ

علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی کہ یاجوج اور ماجوج سے کون اشخاص مراد ہیں؟ فرمایا کہ یہ عربی زبان کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ بابلی زبان کے الفاظ گاگ اور میت گاگ کا معرب ہیں۔ بابل (عراق) میں دو طبقے آباد تھے ایک وہ جس کے پاس زمین تھی دوسرا وہ جو اس سے محروم تھا۔ جدید اصطلاح میں جاگیر دار اور مزدور طبقہ کہہ سکتے ہیں۔

پھر میں نے حکیم اسپنوزا کا تذکرہ چھیڑا تو علامہ نے فرمایا کہ میری رائے میں اس کی اخلاقی تعلیمات جناب مسیح کی تعلیمات سے برتر ہیں۔ "یہودی قوم میں صرف دو آدمی پیدا ہوئے جن کا نام قیامت تک زندہ رہے گا یعنی جناب مسیح اور حکیم اسپنوزا۔ پھر فرمایا کہ حکیم اسپنوزا ایک اونچی قسم کی وحدۃ الوجود کا قائل تھا۔

جناب مسیح کی ولادت بھی عام انسانوں کی طرح ہوئی تھی۔ میرا یہی خیال ہے مذہب کی بنیاد عقل پر نہیں ہے بلکہ باطنی تجربے پر ہے۔ لیکن جب کوئی شخص اپنے تجربے کو دوسروں کو سمجھانا چاہتا ہے تو وہ عقل سے کام لے سکتا ہے یعنی ہم عقل کی مدد سے اپنے تجربے کو دوسروں کے لیے قریب الفہم بنا سکتے ہیں۔

مذہب کی غایت "حضور" ہے اور یہ کیفیت شعور کی گرفت میں نہیں آسکتی۔ انسان اس کیفیت کو بذریعہ الفاظ بیان نہیں کر سکتا۔

خدا کا کامل طور سے ادراک کر لینا، عقل کے بس کی بات نہیں ہے۔ انسانی ذہن خدا کا کامل تصور نہیں کر سکتا۔ وہ صرف اس کے مظاہر کا تصور کر سکتا ہے یعنی خدا کا ظہور جس طرح فطرت میں ہوتا ہے بس اس کا ادراک کر سکتا ہے۔

۳۰ ستمبر ۱۹۳۰ء میکلوڈ روڈ

علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بقائے روح کے مسئلہ پر گفتگو میں فرمایا "انسان کو اس کے حصول کے لیے جدوجہد کرنی لازم ہے یہ وہ نعمت ہے جو مفت نہیں ملتی صرف وہ

لوگ اس نعمت کو حاصل کر سکیں گے جو اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں گے۔ سکرات الموت میں بھی کوئی مصلحت ضرور پوشیدہ ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی بدولت خودی میں یہ طاقت پیدا ہو جائے کہ وہ انتشار سے محفوظ رہ سکے"

پھر فرمایا "شوپن ہاور کا نظریہ یہ ہے کہ آرزو منبع شر ہے لیکن میری رائے میں یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ خواہشات کو فنا مت کرو بلکہ ان کو احکام شرع کے تابع کر دو۔"

یکم اکتوبر ۱۹۳۰ء میکلوڈ روڈ

علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وحدۃ الوجود کے مسئلہ پر گفتگو میں فرمایا "ایک صوفی جب اپنے باطنی واردات کا بیان کرتا ہے تو اسے وحدت وجود سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی اس پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ذات واحد کائنات کی اصل ہے۔

دنیا کا کوئی مذہب تصوف کے عنصر سے خالی نہیں ہے حتیٰ کہ سائنس میں بھی تصوف کا رنگ جھلکتا ہے۔

"اسپنوزا، فلسفی تھا، صوفی نہیں تھا کیونکہ صوفی وہ ہے جو وراء العقل ذرائع سے علم حاصل کرتا ہے۔ اسپنوزا عقلی اعتبار سے حلول (Pantheism) کا قائل تھا۔ لیکن شیخ اکبر ابن عربیؒ حلول کے قائل نہیں تھے۔ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔"

ختم نبوت کے عقیدے پر گفتگو میں انہوں نے فرمایا کہ "ختم نبوت کے عقیدے کی ثقافتی قدر و قیمت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ کے لیے اعلان فرما دیا کہ آئندہ کسی انسان کے ذہن پر کسی انسان کی حکومت نہیں ہو گی۔ میرے بعد کوئی شخص دوسروں سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری بات کو بلا چون و چرا تسلیم کرو۔ ختم نبوت ایسا عقیدہ ہے جس کی بدولت انسانی علم کے دائرے کو وسعت نصیب ہو گئی۔

"علی محمد باب کی دریافت یہ ہے کہ (۱) جہد مفقود ہو گیا (۲) صاحب الہام کے لیے کسی گرامر (صرف و نحو) کی پابندی لازمی نہیں ہے۔ یعنی الہام کسی عبارت میں بھی ہو سکتا ہے جو گرامر کے لحاظ سے غلط ہو"

ان کے برعکس، حضرت فاروق اعظمؓ کی عقل ان کی محبت پر غالب تھی اسی بنا پر انھوں نے وہ درخت کٹوادیا جس کے تنے سے حضور انور ﷺ نے پشت مبارکہ لگائی تھی۔ اگر ان کی محبت علیؓ کی محبت کی طرح ہوتی تو ہرگز درخت نہ کٹواتے۔

قصہ مختصر، علیؓ اور عمرؓ دونوں کو حضور ﷺ سے محبت تھی لیکن طبائع کے اختلاف کی بناء پر ان کی محبتوں کی نوعیت اور کیفیت جداگانہ تھی۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی افتاد طبع کی روشنی میں جو رنگ مرغوب نظر آئے، اختیار کرلے۔ اس میں کسی مباحثے کی ضرورت نہیں ہے۔

چونکہ حضرت علیؓ کی محبت Human type عام انسانی ٹائپ کی ہے اس لیے وہ عموماً لوگوں کو اپیل کرتی ہے۔ حضرت عمرؓ کی محبت Superhuman type فوق البشر نوعیت کی ہے اس لیے بہت کم لوگوں کو پسند آتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً لوگوں پر جذبات کا رنگ غالب ہوتا ہے، عقلی ٹائپ کے آدمی بہت کم ہوتے ہیں۔

دیکھ لو! آنحضرت ﷺ بمقابلہ دیگر پیشوایان مذاہب عالم، مسلمانوں کو زیادہ اپیل کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہم میں ہی سے ہیں "قل انما انا بشر مثلکم"

تصور ذات باری تعالیٰ کا ذکر آیا۔ فرمایا قرآن مجید کا پیش کردہ تصور ہمیں زیادہ اپیل کرتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔ "ادعونی استجب لکم" گویا اس طرح بندے اور خدا (عابد اور معبود) میں ایک روحانی رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور یہ رابطہ ہی مذہب کی جان ہے۔

معتزلہ کا پیش کردہ تصور باری، عام مسلمانوں کو اپیل نہیں کر سکتا کیونکہ ان کی رو سے خدا نہ سمیع ہے نہ بصیر نہ علیم ہے نہ مجیب۔ بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ ایسے خدا کو ماننے کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

ع خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

۱۸ فروری ۱۹۳۴ء میکلوڈ روڈ

ایک عرصے کے بعد حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ غزنی کے رہنے والے